غلام رسول مہر

وہ آدمی تھا مگر........

سید عطا اللہ شاہ بخاری اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے ساتھ نیکیوں اور سعادتوں کی ایک دنیا لے گئے۔ جو گوناں گوں اوصاف وخصائل اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کئے تھے، وہ پہلے بھی ایک وجود میں جمع ہوتے رہے۔ اب تو زمانہ ان اوصاف وخصائل کی تربیت ہی سے بہ ظاہر محروم نظر آتا ہے۔ پھر کس بناء پر امید رکھی جاسکتی ہے کہ ویسی کوئی شخصیت ہمیں دوبارہ دیکھنی نصیب ہوگی۔

جس دور سے میں گزر کر آیا ہوں اس میں ہر طرف عظیم القدر شخصیتوں کی صفیں نظر آتی تھیں جن میں سے ایک ایک فرد علم وفضل، ہمت وشجاعت، ایثار ونظریات اور عمل وسرگرمی کا ایک ایسا عجیب وغریب پیکر تھا کہ اسے دیکھتے ہی فرط ادب واحترام سے گردنیں جھک جاتی تھیں۔ آج ویسے وجود کہاں نظر آتے ہیں؟ اگر ہوں گے تو وہی جو اکادکا باقی رہ گئے۔ جیسے طوفان گزر جاتا ہے تو اپنے پیچھے بادلوں کے چند ٹکڑے چھوڑ جاتا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم ومغفور کے لئے اس مجمع عظیم میں بھی اک معزز مقام حاصل تھا۔ میں آج ان کی مثال کہاں تلاش کروں؟ ایک وسیع ظلمت زار میں روشنی کی کرنیں کس امید پر ڈھونڈوں؟

گزری ہوئی دنیا

حضرت امام بخاری سے ایک شعر منسوب ہے۔ جس کا مفہوم اردو میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ اگر تیری زندگی طویل ہوگئی تو لازماً تمام احباب کی موت کے غم برداشت کئے بغیر تیرے لئے چارہ نہ رہے گا۔ اس وجہ سے تیری زندگی اندوہ وقلق کا دردانگیز مرقع بن جائیگی۔

اس اندوہ وقلق کا صحیح اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے احباب ورفقاء کا قافلہ منازل حیات سے تیزی کے ساتھ گزر گیا اور وہ گردو پیش کارواں کی حیثیت میں پیچھے رہ گئے۔ میں کیا عرض کروں کہ کن کن بزرگوں، محبوں اور ہمدموں کی مفارقت کے داغوں سے سینہ ودل شعلہ زار بنے ہوئے ہیں۔ کان جن صداؤں سے عمر بھر آشنا رہے۔ وہ اب کہیں سننے میں نہیں آتیں۔ نگاہیں جن مناظر کی اس درجہ خوگر ہو چکی تھیں کہ انہیں کو زندگی کے طبعی اور حقیقی مناظر سمجھتی تھیں ان کی زیارت کے لئے اب دور دور تک جاتی ہیں اور ناکام واپس آتی ہیں۔ کوئی گزری ہوئی دنیا کو کہاں سے لوٹا لائے اور کیوں کر لوٹا لائے؟ زندگی کا دھارا انتہائی تیزی سے بہتا چلا جارہا ہے۔ اس میں رجعت ممکن نہیں۔ اس کا پیچھے کی طرف لوٹنا خارج از بحث ہے اور جو موجیں اپنی فطری بے تابیوں کو دھارے کی سطح پر بکھیرتی ہوئی آگے جاچکی ہیں وہ پلٹ کر نہیں آسکتیں۔ ایک زمانہ تھا جب ہر موج کے بعد دوسری ویسی ہی یا اس سے ملتی جلتی موج آنکھوں کے سامنے آجاتی تھی اور منظر میں شکست یا انقطاع ہی نہیں بلکہ تغیر وتبدل کا بھی احساس بہت کم ہوتا تھا۔ مگر اب؟۔۔۔۔ میں کیا عرض کروں؟ اب دوسری ہی دنیا وجود میں آگئی ہے۔ وہ دنیا یقیناً باقی نہیں رہی۔ جس میں ہم نے زندگی کے بیشتر اوقات گزارے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس گزری ہوئی دنیا کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ ان معنوں میں بڑی شخصیت نہ تھے کہ انہیں کوئی بہت بڑا منصب یا وسیع خطے پر اقتدار حاصل تھا۔ ان معنوں میں بھی بڑی شخصیت نہ تھے کہ وہ کثیر المقدار اموال و املاک پر قابض تھے اور اس وجہ سے سینکڑوں ہزاروں افراد کی زندگیاں ان کے ساتھ وابستہ ہو گئیں تھیں۔ اسلام کے نزدیک عظمت کا معیار نہ دولت ہے، نہ اقتدار، نہ رنگ ہے، نہ نسل، تنہا علم و فضل ہی نہیں تقریر و خطابت کی سحر انگیزی اور تحریر و نگارش کی ندرت کاری بھی نہیں بلکہ صرف تقویٰ ہے۔ صرف حسن عمل ہے اور تقویٰ حسن عمل کا پیمانہ بھی اپنا بنایا ہوا ہر گز نہیں۔ بلکہ کتاب و سنت کا پیمانہ اللہ تعالی کے احکام و اوامر اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا پیمانہ۔

رفعت و منزلت

سید عطا اللہ شاہ بخاری اسی پیمانے کے مطابق دور حاضر کی رفیع المنزلت شخصیت تھے اگرچہ آج کل بیشتر نگاہوں کا انداز بینش بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ موازنے اور ناپ تول کے مُسلمہ معیار باقی نہ رہے۔ زاویہ ہائے نگاہ کچھ اور ہوگئے۔ دقیقہ شناسی کی صلاحیتوں میں فرق آ گیا۔ اس لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، یقین نہیں کہ اسے آجکل کی سطح فہم و نظر کے مطابق کہنے میں کامیاب ہو سکوں گا اور اپنا مطلب سمجھا سکوں گا مگر کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کیونکہ نگاہوں کی دگرگونی کا موجودہ دور بہر حال عارضی ہے دیرپا نہیں اور جو کچھ عرض کرنے کا خواہاں میں ہوں، وہ جیسا پہلے تھا ویسے ہی آج ہے اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا خواہ زمانہ کتنا ہی چکر کاٹ —۔ اور کتنی ہی گردشوں کا تختہ مشق بن جائے کیونکہ حقیقتیں بدلا نہیں کرتیں۔ وہ ہر حال میں قائم و استوار رہتی ہیں۔ کلمات اللہ میں تبدیلی ممکن نہیں۔

زندگی کے دو مقاصد

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راہ حق میں ایثار و عزیمت کا وہ ایک نادر پیکر تھے ان کی ہوشمندانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوا۔ میرے علم کے مطابق ان کی زندگی کے دو اہم مقصد تھے۔ اول یہ کہ ان کا وطن اجنبی تسلط کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو جاتا اور سامراج کا وجود مٹ جاتا وہ سامراج کے دشمن تھے۔ مگر برطانوی سامراج کی مخالفت خصوصیت سے ان کی زندگی کا نصب العین بنی رہی کیونکہ برطانیہ ہی پاک و ہند پر قابض تھا اور برطانیہ ہی کے قبضے میں اسلامی دنیا کے وسیع ترین اور بہترین خطے تھے۔ دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمان دنیا میں بالعموم پاک و ہند میں بالخصوص آزاد تر، خود دار تر اور خوشحال تر زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے سچے مسلمان بن جائیں۔ تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ان کی رائے صحیح نہ تھی اور فلاں معاملے میں ان سے اندازے کی غلطی ہو گئی مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جن مقصدوں کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ ان کے لئے سعی و کوشش، جہاد، ایثار یا فداکاری میں کبھی تامل نہ کیا یا کبھی یہ سوچا کہ قدم آگے بڑھایا تو انہیں قید و بند سے سابقہ پڑے گا۔ اور اہل و عیال کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ ان مقصدوں

لے لئے لڑنا انکے نزدیک اسلامی زندگی کا گراں بہا فرض تھا اور فرض اس لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا خوش دلی سے ادا کیا جائے۔ اس لئے نہیں ہوتا کہ اسے پورا کرنے کے لئے قدم اٹھانے سے بیشتر ذاتی رنج و راحت کا موازنہ کر لیا جائے۔

شرف اولیت

چنانچہ اسلامیت و آزادی کے ہر معاملے میں انہوں نے اولیت و سبقت کا شرف برابر قائم رکھا۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فرائض کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور اس مستعدی و جانفروشی سے انہیں پورا کیا۔ میں اطمینان سے بیٹھا ہوا یہ داستان سرائی کر رہا ہوں اور داستان سرائی سے حقیقی حالات کا اندازہ مشکل ہے اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ ہر شخص اپنے کسی محبوب و مرغوب مقصد کے لئے اپنے اوپر ویسی ہی حالت طاری کرے۔ پھر اسے معلوم ہوگا کہ بلند مقاصد کے دیوانوں کی زندگی کیوں کر گزرتی ہے۔

پھر یہ معاملہ دو چار دن، دو چار مہینے یا دو چار برس کا نہ تھا۔ حکومت برطانیہ اٹل ہوتی تھی سید عطاء اللہ شاہ کا عنفوان شباب تھا۔ جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور وہ اسی میدان میں میرے سامنے بوڑھے ہو گئے۔

آخری دور کا نقشہ

ان کے ایک نیازمند نے آخری دور کا نقشہ یوں پیش کیا ہے۔

اس سحر بیان مقرر اور شیریں مقال خطیب شعلہ نوا اور آتش نفس عالم دین کو اس حالت میں دیکھا جس کی آواز مدھم ہو چکی تھی جس کی زبان سے گفتگو بہ مشکل ہو رہی تھی۔ جس کے قوائے جسمانی و ذہنی کمزور ہو چکے تھے۔ جس کی بینائی بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ جو ٹوٹے ہوئے، کچے کرائے کے مکان میں مکین تھے۔ جس کی دینی خدمت کا صلہ عزلت و تنہائی اور جدوجہد آزادی کا انعام مسلسل پریشانی اور کسمپرسی تھا۔ وہ جس کی صحت کبھی باعث صد رشک تھی۔ آج اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور تھا۔ آج اس کے جوڑ جوڑ اور نس نس میں نصف صدی کی تکان اور مشقت شامل تھی۔

یقیناً ہر شخص کے بڑھاپے کی کیفیت کم و بیش اسی قسم کی ہوتی ہے مگر کیا اس کیفیت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ان مسلسل اور طویل قیدوں اور اسیریوں کا بھی خاصا بڑا حصہ نہیں، جو اس نے دو قرن تک انتہائی مردانگی اور جوان ہمتی سے راہ حق کی ناگزیر مشقتیں سمجھ کر برداشت کیں؟ اس حالت میں بسر کیں کہ حکومت برطانیہ بظاہر اٹل نظر آتی تھی؟۔

بے نفسی اور بلند ہمتی۔

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاری نے راہ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی توقف نہ کیا وہ اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں بھی وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہو گیا اور کبھی کوشش

نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجہ کا مکان ہی الاٹ ہو جائے۔ حالانکہ اس کے گردو پیش بارہ تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامۂ عظیم بپا رہا۔ وہ غیر معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرط عقیدت سے اسکے لئے برابر تڑپتے رہے۔ ارباب حل و عقد میں بھی اس کے شناساؤں، بلکہ عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی۔ مگر اس نے اپنے لئے زندگی کا جو سانچہ تجویز کر لیا تھا۔ اس میں ایسی باتوں کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق ہر متاع اہل علم کی فلاح و بہبود کےلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ (اہل حق یعنی ہر متاع اہل علم کی فلاح و بہبود کے لئے لٹاتے رہتے ہیں۔ مگر خود کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے لئے عزیز ترین متاع اس کی درویشی تھی۔ وہ اسی متاع پر اس طرح قانع اور مطمئن رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ سندوں پر بیٹھ کر بھی کبھی وہ اطمینان شاید ہی نصیب ہوا ہو اسی مقام کے باب میں عرض کیا گیا ہے۔

گر دولت ایں بود کہ بہ درویش مے دہند
بادی گریستن جم و کے را بہ تخت خریش

میری دعوت

میری زبان اس دعوت پر آمادہ نہیں ہو سکتی کہ لوگ اس نادر شخصیت کے متعلق میں اپنے فراموش کردہ فرض کی تلافی کر دیں۔ میرے شیوۂ فکر و نظر کو ایسی دعوت سے کوئی مناسبت نہیں۔ البتہ یہ ضرور رکھتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا کہتا جاؤں گا کہ دوسری نادر شخصیتوں کی طرح اس نادر شخصیت سے بھی خدمت اسلام، خدمت ملت، خدمت ملک اور خدمت خلق کے طور طریقے سیکھے پہلے ایسے مبارک وجود اتنے کمیاب نہ تھے جتنے آج ہیں۔ یہ آئینے ہوتے ہیں جنہیں قدرت اس لئے بھیجتی ہے کہ لوگ انہیں سامنے رکھ کر اپنے خدو خال درست کر لیں۔ قومیں ایسی شخصیتوں کے بل پر ترقی کرتی ہیں۔ عزت مندانہ زندگی کے لئے ایسے ہی ایثار، ایسی ہی فدا کاری، ایسی ہی بے نفسی اور بے غرضی کی ضرورت ہے۔

عزت مندانہ زندگی کی راہ

جس قوم کے افراد کی اکثریت یا خاصی بڑی تعداد اغراض کی گرم بازاری کا ایندھن بن جائے اس کے لئے قدم آگے بڑھانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اس کی متاع ہمت و عمل تو اغراض کے شعلہ زار کی نذر ہو جائے گی۔ یہ بھی واضح رہے کہ قومیں دلکش الفاظ یا بہ ظاہر دل پذیر تقریروں سے زندگی کی امتحان گاہ میں کامیابی کی اہل نہیں بنتیں ایسے عمل کی ضرورت ہے جو ایثار و بے نفسی کے سرچشمے سے فوارے کی طرح اچھلے۔ سید عطاء شاہ بخاری کی ذات گرامی زندگی بھر ایسے ہی اعمال کا مصدر بنی رہی۔ وہ ہمارے عہد میں اسلامی اوضاع و اطوار کا ایک قابل قدر نمونہ تھے۔ ایسے نمونے جتنی تعداد میں پیدا ہو سکیں، انہیں حقیقی قومی دولت سمجھئے۔ جن باتوں کو ہم اب اپنے نزدیک اہم سمجھتے ہیں اور معیار وقعت بنائے بیٹھے ہیں۔ انہیں تو اسلام کے حقیقی معنوں سے کوئی بھی مناسبت نہیں۔

ممکن ہے میری گزارشیں آپ کو تلخ و ناخوشگوار معلوم ہوں مگر۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو مے گریم
تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال